اسلام
اور
وحدتِ بنی آدم

مولانا سیّد جلال الدین عمری

فہرستِ مضامین

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

انسان اپنی طویل تاریخ میں محدود مقاصد کے لیے جی رہا تھا اور تنگ دائروں میں بند تھا۔ اسلام نے اسے اس محدودیت سے نکالا اور آفاقی نقطۂ نظر عطا کیا۔ انسانوں کے درمیان چھوٹے بڑے اور پست و بلند کے جھوٹے امتیازات قائم تھے۔ اسلام نے انہیں ختم کیا اور مساوات کا درس دیا۔ اس نے اس فراموش کردہ حقیقت کی یاد دہانی کی کہ انسان سارے کے سارے اللہِ واحد کے بندے اور آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ ان کے درمیان فرق و امتیاز کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہے۔ اس سے فرد کی عزتِ نفس مجروح ہوتی ہے، معاشرہ فساد اور بگاڑ کی راہ پر چل پڑتا ہے اور کم زوروں کے حقوق پامال ہونے لگتے ہیں۔ ہر انسان بہ حیثیت انسان عزت و تکریم کا مستحق ہے۔ وہ اپنے فطری حقوق و اختیارات کے ساتھ اللہ کی زمین پر قدم رکھتا ہے۔ اس کے یہ حقوق و اختیارات سلب نہیں کیے جاسکتے۔ سماج میں عزت و شرف کا حق دار وہ ہے جو خدا ترس ہے اور تقویٰ و طہارت کی زندگی گزار رہا ہے۔ باقی سارے معیارات انسانوں کے خود ساختہ اور بے اصل ہیں۔ ان کے ختم ہونے ہی میں انسان کی فلاح و کام رانی ہے۔

اس کتابچہ میں اسلام کی اسی تعلیم کو بہت ہی اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ یہ کافی پہلے سے شائع ہوتا رہا ہے۔ اب کی بار کسی قدر نظر ثانی کے بعد اشاعت کے لیے دیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور اس پر اس کا شکر ادا کرتا ہوں کہ

اس کتابچہ کو مختلف حلقوں نے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور اس کے ترجمہ کی طرف توجہ کی۔ اب تک اس کا ترجمہ انگریزی اور ہندی کے علاوہ بعض علاقائی زبانوں تمل، تلگو، مراٹھی اور گجراتی میں بہت پہلے سے شائع ہو رہا ہے۔ اس موضوع پر مزید تفصیل اس عاجز کی انسانی حقوق سے متعلق دوسری کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو قبول فرمائے اور زیادہ کی توفیق اور صلاحیت سے نوازے۔

جلال الدین عمری

۱۴/اپریل ۲۰۱۳ء

اسلام اور وحدتِ بنی آدم

فکر وعمل کا اختلاف

اگر ماضی، حال اور مستقبل کے سارے انسان کسی ایک جگہ جمع کیے جائیں اور ان سے ان کے جذبات و احساسات اور ان کی ضرورتوں کے بارے میں سوال کیا جائے تو سب کے جوابات ایک سے ہوں گے۔کوئی بھی شخص ایسا نہیں نکلے گا جو خوشی اور غم کے جذبات اور طبعی تقاضوں سے خالی ہو، یا اس کے جذبات دوسروں کے جذبات سے اور اس کے طبعی تقاضے دوسروں کے طبعی تقاضوں سے مختلف ہوں، لیکن اس کے باوجود انسان مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے برسر پیکار ہے۔ گویا ہر گروہ اور ہر فرد کی فطرت جدا اور ان کی حاجتیں مختلف و متضاد ہیں۔ ایشیا کا رہنے والا اپنی زندگی کے لیے جن چیزوں کا محتاج ہے امریکہ کا باشندہ ان سے بے نیاز ہے، یورپ کی بنیادی ضرورتیں افریقہ کی بنیادی ضرورتوں سے الگ ہیں، رومی کے جو جذبات و احساسات ہیں یونانی اس سے مختلف جذبات و احساسات رکھتا ہے۔

مقصدِ حیات کی تعین میں ناکامی

جب واقعہ یہ ہے کہ سارے ہی انسان اپنے فطری جذبات، اصولی مفادات اور بنیادی ضرورتوں کے لحاظ سے ایک وحدت ہیں تو وہ کون سی چیز ہے جو اُن کو تصادم

اور ٹکراؤ کی طرف لے جاتی ہے اور ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے اور خون بہانے پر ابھارتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں اپنی زندگی کے لیے ایک ایسا مقصد چاہتا ہے جو اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کا مرکز ہو، جس کے گرد وہ اپنی ساری قوتوں اور صلاحیتوں کو گردش دے سکے، جس پر اپنی جان و مال اور اوقات کو قربان کردے، جسے پاکر وہ سکون اور اطمینان محسوس کرے اور جسے وہ حاصلِ زیست سمجھے۔ اس طرح کے کسی مقصد کے بغیر اس کو چین اور سکون نہیں مل سکتا، بلکہ وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس مقصدِ حیات کو پانے میں وہ بھٹکتا رہا ہے۔ یہیں سے اس کی ناکامی و نامرادی کی داستان شروع ہوتی ہے۔

زندگی کے محدود مقاصد

اس دنیا میں بیش تر انسانوں کا مقصد حیات بہت ہی حقیر اور معمولی ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے گرد چکّر کاٹتے رہتے ہیں، یا زیادہ سے زیادہ بیوی بچوں کا مفاد ان کے پیش نظر ہوتا ہے۔ کچھ لوگ اس سے اوپر اٹھ کر سوچتے بھی ہیں تو ان کی نظر محدود ہی رہتی ہے اور چھوٹے چھوٹے مقاصد ہی پر وہ اپنی قوت اور توانائی صرف کرتے ہیں۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی محدود مقصد، چاہے وہ اپنی جگہ کتنا ہی مفید اور کارآمد کیوں نہ ہو، تمام انسانوں اور ان کے مختلف طبقات اور گروہوں کا مقصد نہیں بن سکتا۔ اس سے محبت سب کے لیے ممکن نہیں ہے، بلکہ اس سے دلچسپی بھی ہر ایک کو مشکل ہی سے ہوسکتی ہے۔ یہی چیز انسانوں کے درمیان سارے اختلافات اور نزاعات کی جڑ ہے۔

خاندان اور قبیلہ کی فلاح

ان محدود مقاصدِ حیات کی ایک تاریخ ہے۔ انسان جب قبائلی زندگی گزار رہا تھا تو اس نے سوچا کہ اس کی زندگی کا مقصد خاندان اور قبیلے کی خدمت ہے۔ قبیلہ کے

مفاد کے لیے جدوجہد، اس کی تائید وحمایت اور دشمن سے اس کا دفاع انسان کا مقدس فرض ہے۔ کیوں کہ قبیلہ ہی اس کی پرورش گاہ ہے، وہ اس کو وجود دیتا اور دوڑ دھوپ کے قابل بناتا ہے۔ اس کی ساری قوتیں اور صلاحیتیں قبیلے کے احسانات کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اس لیے ان قوتوں کا بہترین مصرف بھی قبیلے کی خدمت ہی ہوسکتا ہے۔ وہ انسان کامیاب ہے، جس کی قوتیں اور صلاحیتیں اس کے قبیلے کے کام آئیں۔

ایک زبان بولنے والوں کا مفاد

تاریخ جب کچھ اور آگے بڑھی تو انسان نے کہا کہ اس کی قوتوں اور صلاحیتوں کو تنہا وہ قبیلہ نہیں اُبھارتا جس میں وہ پیدا ہوا ہے، بلکہ اس کی ترقی اور نشو ونما میں بہت سے دوسرے خاندان اور قبیلے بھی شریک ہوتے ہیں، اس لے یہ صحیح نہیں ہوگا کہ انسان صرف اپنے قبیلے کے بارے میں سوچے اور اسی کے مفاد کے لیے سب کچھ کرے۔ اس کی خدمات اور قربانیوں کا دائرہ اپنے قبیلہ تک محدود نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اسے ان تمام قبیلوں تک وسیع ہونا چاہیے جو ایک زبان بولتے ہیں، کیوں کہ زبان ہی مختلف قبیلوں کو جوڑنے کا ذریعہ ہے۔ اسی سے خیالات میں اشتراک پیدا ہوتا ہے اور قبیلے ایک دوسرے سے قریب آتے اور ایک دوسرے کے معاون و مددگار بنتے ہیں۔

اس میں شک نہیں، خاندان اور قبیلے اور اپنی زبان والوں سے محبت کے نتیجہ میں ان کی خدمت اور حفاظت کا جذبہ ابھرا، فلاح و بہبود کے منصوبے بنے، دشمنوں سے دفاع کی کوششیں ہوئیں، ترقی کی راہیں تلاش کی گئیں اور ایک خاص دائرہ میں فائدہ بھی پہنچا، لیکن یہی چیز دوسرے قبائل اور دوسری زبان والوں سے دوری کا سبب بھی بنی، جہاں ایک قبیلہ کا مفاد دوسرے قبیلہ کے مفاد دوسرے قبیلہ کے مفاد سے یا ایک زبان بولنے والے کا مفاد سے ٹکرایا اختلافات ابھرے، عداوت اور خصومت رونما ہوئی، میدانِ کارزار تیار ہوئے اور قتل وخون سے زمین لالہ زار ہوتی رہی۔ تاریخ اس تباہی اور بربادی کا مشاہدہ کرتی رہی ہے۔

قومیت کا تصور اور اس کی خامیاں

زبان کی وسعت کو بھی بسا اوقات چند سو اور چند ہزار میل کا فاصلہ ختم کر دیتا ہے۔ انسان کے مفادات کا دائرہ اس سے زیادہ وسیع علاقہ پر اور بہت دور تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ ایسے افراد اور جماعتوں سے بھی تعلق رکھنے پر مجبور ہے، جن کی زبان اس کی زبان سے گو مختلف ہوتی ہے، لیکن جن سے اس کا گہرا معاشی، سماجی اور ثقافتی ربط ہوتا ہے اور جو اس سے قرب اور یگانگت محسوس کرتے ہیں۔ یہ ربط و تعلق عموماً زمین کے اس حصہ تک پھیلے ہوئے انسانوں کے درمیان پایا جاتا ہے جسے پہاڑوں، دریاؤں، ذرائع پیداوار، آب و ہوا اور موسم کے اشتراک نے ایک کر دیا ہو اور جو جغرافیائی لحاظ سے دوسرے خطوں سے الگ سمجھا جاتا ہو۔ انسان چوں کہ زمین کے اس پورے خطہ سے اور اس کی ایک ایک چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے،اسی سے اس کی تہذیب اور ثقافت وجود میں آتی ہے، اس لیے کہا گیا ہے کہ انسان کے پیش نظر اس پورے خطہ کی خدمت ہونی چاہیے، خواہ اس میں کتنی ہی زبانیں بولی جاتی ہوں، کتنی ہی قومیں اور قبیلے آباد ہوں اور کتنے ہی رنگ و نسل کے افراد بستے ہوں۔ یہی تصور قوم اور وطن کی اساس ہے۔ قومیت اور وطنیت کے کچھ اور اسباب بھی رہے ہیں۔ ان سب سے قطع نظر یہ ایک واقعہ ہے کہ قوم اور وطن کی خدمت اور اس کی نصرت و حمایت زندگی کا ایک بڑا مقصد رہا ہے۔ موجودہ دور بھی اسے اعلیٰ ترین مقصدِ حیات سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک قوم اور وطن کے لیے جینا اور مرنا اور ہر طرح اور ہر قیمت پر اس کا دفاع کرنا انسان کی معراج ہے۔ جو شخص اس مقصد کے لیے فنا ہو جائے وہ اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ اس کی یادگار منائی جائے، اس کے مرنے کے بعد اس کی تصویر کے سامنے تعظیمی آداب بجا لائے جائیں اور اس کے ذکر کو تاریخ کے صفحات میں محفوظ کر دیا جائے۔

قومیت کے تصور سے تمدن میں دو بڑی خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ پہلی خرابی یہ ہے کہ یہ نظریہ اپنے مزاج کے لحاظ سے انسان میں تعصب پیدا کرتا ہے۔ جو شخص صحیح

معنوں میں قوم پرست ہوگا، وہ لامحالہ صرف اپنی قوم کا بھلا چاہے گا۔ اسے کسی دوسری قوم کی فلاح و بہبود سے کوئی دلچسپی نہیں ہوگی اور اگر ہوگی بھی تو اسی وقت جب کہ وہ اس کی اپنی قوم کے لیے مفید ہو۔ ہر معاملہ میں قومی مفاد اس کے پیش نظر ہوگا۔ جس کام میں وہ قوم کا فائدہ دیکھے گا اس کی طرف دوڑ پڑے گا، خواہ وہ دوسری قوم کے لیے کتنا ہی نقصان دہ کیوں نہ ہو، اور جس کام میں قومی نقصان ہوگا وہ اس کے لیے غیر ضروری بلکہ ناجائز قرار پائے گا، خواہ اس سے کسی دوسری قوم کے حق میں بڑے سے بڑے نفع کی توقع ہی کیوں نہ کی جائے۔ اسے آپ قوم کا ایسا وفادار کہہ سکتے ہیں، جس کی نظر کبھی حق و ناحق پر نہیں ہوتی، بلکہ اپنی قوم کے نفع و نقصان پر ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنے اس محدود نقطۂ نظر کو بدل دے اور ہر طبقہ اور ہر جماعت کی بھلائی چاہنے لگے تو وہ انسانیت نواز ہوگا، قوم پرست نہ ہوگا۔

نظریۂ قومیت کی دوسری خرابی یہ ہے کہ وہ تمام انسانوں کو ایک نظر سے نہیں دیکھتا، بلکہ ان کے درمیان بلندی و پستی کے بے شمار معیارات قائم کردیتا ہے۔ کبھی کسی قوم کو وہ اس لیے برتر قرار دیتا ہے کہ اقتدار اور حکومت اس کے ہاتھ میں ہے اور کبھی اس کے نزدیک کوئی قوم اس لیے اونچی ہوجاتی ہے کہ وہ ایک خاص زبان بولتی ہے یا اس کا کسی خاص نسل یا خاص خطۂ زمین سے تعلق ہے۔ ظاہر ہے جہاں یہ خرابی ہوگی وہاں آپ مساواتِ انسانی کا تصور نہیں کرسکتے۔

موجودہ دور قوم پرستی کا دور ہے۔ چناں چہ اس میں یہ دونوں خرابیاں پوری طرح نمایاں ہوچکی ہیں۔ ایک طرف قومی تعصب پوری شدت کے ساتھ ابھر آیا ہے اور دوسری طرف آج کا انسان مساوات کا تصور چھوڑ چکا ہے۔ چناں چہ اسی کا نتیجہ ہے کہ کوئی بھی بااقتدار قوم اپنے زیر سایہ کسی محکوم قوم کو جینے کا حق تک دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ ان کی ترقی و خوش حالی کی دشمن ہے اور ہر قدم پر ان کی راہ میں کانٹے بچھاتی ہے۔ ان نتائج کے کھل کر سامنے آنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ انسانیت کی فلاح

نظریۂ قومیت میں ہے اور اس سے دنیا کو امن و امان اور سکون مل سکتا ہے؟

محدود مقاصد سے عداوت پیدا ہوتی ہے

حقیقت یہ ہے کہ ان غلط مقاصد نے انسانوں کے خانوادے میں پھوٹ ڈال دی ہے اور ان کے درمیان نفرت اور عداوت کے بیج بو دیے ہیں۔ ہر شخص اپنے خول میں بند ہوکر سوچتا ہے اور دوسروں کے مسائل و مشکلات سے اسے دلچسپی نہیں رہی ہے۔ حق ہو یا باطل اپنے طبقہ اور اپنے گروہ کی حمایت کو فرض سمجھا جاتا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات تک مفادات کے تابع ہوگئے ہیں۔ اپنی قوم کے فائدے کے لیے دوسری قوموں کو نقصان پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا۔ فرقے فرقوں سے ٹکرا رہے ہیں اور قومیں قوموں سے برسر پیکار ہیں۔ نوعِ انسانی امن و امان سے دور اور بہت دور ہوتی جا رہی ہے۔ جنگ کے سیاہ بادل ہر طرف منڈلا رہے ہیں۔ انسان مستقل خوف کے سائے میں جی رہا ہے کہ معلوم نہیں کب اس سے آگ برسنے لگے اور آبادیاں ویرانوں اور قبرستانوں میں تبدیل ہوجائیں۔

عالم گیر برادری کا تصور اور اس کی کم زوری

اس کے حل کے لیے عالم گیر انسانی برادری کا تصور پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی تمام قومیں اپنے مشترک مفادات میں متحد ہوجائیں اور ان کے حصول کے لیے مل جل کر جدوجہد کریں۔ خود بھی زندہ رہیں اور دوسروں کو بھی زندہ رہنے کا حق دیں۔ لیکن یہ ایک فرضی تصور ہے، دنیا نے اس کی ابھی تک عملاً تائید نہیں کی ہے۔ انسان کے سارے فیصلے اور اقدامات اس کے نظریات کے تابع ہوتے ہیں۔ نظریات ہی کی بنیاد پر صلح و جنگ، دوستی اور دشمنی ہوتی ہے۔ ان ہی سے روابط اور تعلقات میں استحکام پیدا ہوتا یا کم زوری آتی ہے۔ نظریات میں تضاد ہوتو اختلافات لازماً پیدا ہوں گے۔ جو شخص کمیونزم پر ایمان رکھتا ہو سرمایہ داری کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھانا اس کے لیے ناممکن ہے۔ قوم پرست ذہن

قومیت کے مخالف کو برداشت نہیں کرسکتا۔ اختلافِ فکر کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس سے انسانوں کے درمیان ہمیشہ نزاع اور جنگ رہی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ آج یہی چیز الفت و محبت کا ذریعہ بن جائے؟ یہ ایک ایسا فطری سوال ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور عالم گیر برادری کا تصور پیش کرنے والوں کی طرف سے اب تک اس کا جواب نہیں دیا جاسکا ہے۔

وحدتِ بنی آدم کی اسلامی بنیادیں

اسلام نے وحدت بنی آدم کا وسیع، ہمہ گیر اور واضح تصور دیا ہے اور اس کے لیے بہت ہی ٹھوس اور مضبوط بنیادیں فراہم کی ہیں۔ اس کے نزدیک اس کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ سارے انسان ایک خدا کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں۔ دوسری بنیاد یہ ہے کہ ان سب کی اصل ایک ہے، اس لیے وہ اپنے تمام ظاہری اختلافات کے باوجود ایک وحدت ہیں۔ اسلام ان بنیادوں پر نوعِ انسانی کے تمام طبقات کو جوڑتا اور اس راہ میں جو تعصّبات حائل ہیں ان کو ایک ایک کر کے دور کرتا ہے۔ اسلام کی فراہم کردہ ان بنیادوں کو مان لیا جائے تو اختلافات کی ظلمتوں سے اتحاد کا سورج طلوع ہوسکتا ہے اور جو قومیں اور جماعتیں باہم دست وگریباں ہیں وہ مل جل کر زندگی گزار سکتی ہیں۔

سارے انسان ایک خدا کے بندے ہیں

اسلام نے خدا کا صحیح ترین تصور دیا ہے۔ یہی اس کی تعلیمات کی جان ہے۔ وہ اس حقیقت کو دلائل کی پوری قوت کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ یہ لمبی چوڑی کائنات، جس کی وسعتوں کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، اللہِ واحد کی پیدا کردہ ہے اور اسی کی اس پر حکم رانی ہے۔ انسان بھی اس کی بے شمار مخلوقات کی طرح ایک مخلوق ہے۔ وہی اس کا خالق، مالک، معبود اور حاکم ہے۔ اسی نے اس کے لیے ہوا، پانی روشنی، تاریکی، حرارت اور ٹھنڈک پیدا کی، بحر و بر مسخر کیے، وہی اس کا رازق اور پروردگار ہے، اسی کے ہاتھ میں

موت و حیات، مرض و صحت اور تنگ دستی اور خوش حالی ہے۔ وہی اس کی فریاد سنتا اور مرادیں پوری کرتا ہے، وہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے، وہی اس کا حقیقی سہارا ہے۔ جب سارے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں تو اسی کا سہارا کام آتا ہے، وہی پناہ دینے والا ہے، وہ پناہ نہ دے تو اسے کہیں پناہ نہیں مل سکتی اور وہ دست گیری نہ فرمائے تو کوئی اس کی مدد نہیں کرسکتا۔ اس کے احسانات اتنے زیادہ ہیں اور انسان ان احسانات میں اس قدر ڈوبا ہوا ہے کہ وہ نہ تو ان کا شمار کرسکتا ہے اور نہ ان کا صحیح معنی میں شکر ادا کرسکتا ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقاً لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهَارَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَ اٰتٰكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لاَ تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝

(ابراہیم: ۳۲-۳۴)

اللہ وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمانوں سے پانی اُتارا پھر اس کے ذریعہ تمھاری روزی کے لیے طرح طرح کے پھل پیدا کیے اور اسی نے تمھارے لیے کشتی کو مسخر کیا تاکہ سمندر میں اس کے حکم سے چلے اور اس نے تمھارے لیے دریاؤں کو مسخر کیا، اور اس نے تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کیا جو لگاتار چل رہے ہیں اور اسی نے تمھارے لیے رات اور دن کو مسخر کیا اور جو کچھ تم نے مانگا (یعنی جن چیزوں کی تمھارے وجود، اور بقا کے لیے ضرورت تھی) وہ سب دیا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کرسکتے۔ بے شک انسان بڑا ہی بے انصاف اور بڑا ہی ناشکرا ہے۔

سب کا مقصدِ حیات اللہ کی عبادت ہے

انسان اپنے اسی مالک و مولیٰ کی عبادت کے لیے پیدا ہوا ہے۔ اس دنیا میں یہی اس کی صحیح حیثیت بھی ہے اور یہی اس کے لیے زیبا بھی ہے۔ اسی سے وہ اللہ کے احسانات کا شکر ادا کرسکتا اور اپنے بندہ ہونے کا ثبوت دے سکتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ اَلَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشاً وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقاً لَّكُمْ فَلاَ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

(البقرۃ:۲۱،۲۲)

اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو بھی پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ امید ہے تم اس کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔ وہی ہے جس نے تمھارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا اور اس کے ذریعہ پھلوں کی غذا تمہارے لیے نکالی۔ پس اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور تم جانتے ہو (کہ اس کا کوئی جواز نہیں ہے)۔

یہی پیغمبروں کی تعلیم ہے

یہی تعلیم ان تمام پیغمبروں اور برگزیدہ بندوں کی تھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لیے دنیا کے مختلف حصوں میں اور مختلف زمانوں میں آتے رہے اور جس کا سلسلہ آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جاری رہا:

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِىْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ○ (الانبیاء:۲۵)

ہم نے تم سے پہلے جس رسول کو بھی بھیجا اس کی طرف یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔

اِس مقصد پر سب جمع ہو سکتے ہیں

زندگی کا یہ مقصد کسی ایک فرد، طبقہ اور قوم و ملک کا نہیں، بلکہ ساری بنی نوعِ انسانی کا مقصد ہے۔ امیر کا بھی، غریب کا بھی، ترقی یافتہ کا بھی، پس ماندہ اور ترقی پذیر کا بھی، ہندی کا بھی، چینی کا بھی، ایشیا والے کا بھی، یورپ والے کا بھی، روسی کا بھی، امریکی کا بھی۔ اللہ تعالیٰ نے افراد اور جماعتوں کے لیے الگ الگ مقاصد نہیں بتائے ہیں، بلکہ سب کا ایک مقصد قرار دیا ہے اور زمین پر بسنے والے ہر فرد اور ہر گروہ سے اپنی

عبادت کا مطالبہ کیا ہے۔

یہی دنیا کا واحد مقصد ہے، جو مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے تمام انسانوں کا مقصد ہوسکتا ہے اور جس پر رنگ ونسل اور قوم و ملک کے اختلاف کے باوجود وہ جمع ہوسکتے ہیں۔ اس کے بارے میں نہ تو عجمی یہ کہہ سکتے ہیں یہ صرف عربوں کے لیے ہے اور نہ عرب اسے عجمیوں کا مقصد قرار دے سکتے ہیں۔ نہ مشرق اس سے دوری محسوس کرسکتا ہے اور نہ مغرب۔ اس لیے کہ یہ ہر فردِ بشر کے دل کی پکار ہے۔ اس سے اس کی فطری پیاس بجھتی ہے۔ اس میں ہر رنگ ونسل اور ہر خطۂ زمین کے انسانوں کے لیے کشش ہے۔ اپنے خالق و مالک اور محسن کی طرف بڑھنا اور اس سے قریب ہونا انسان کی فطرت ہے۔ کیوں کہ قدم قدم پر وہ اس کی طرف رجوع کرنے اور اس کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہے۔ مشکلات میں وہ اس کا سہارا ڈھونڈتا ہے اور خوشیوں میں اس کے احسانات کا شکر بجا لانا چاہتا ہے۔ اس کی عبادت اور بندگی میں اس کا اپنا ذاتی فائدہ ہے۔

اور پھر خدائے تعالیٰ کی کوئی ذات برادری نہیں۔ اس کا کوئی خاندان اور قبیلہ نہیں۔ اس کا وجود کسی خطۂ زمین میں محدود نہیں۔ وہ ہر جگہ موجود ہے اور ہر ایک کو دیکھتا اور اس کی فریاد سنتا اور مدد کرتا ہے۔ اس سے ہر انسان اپنا رشتہ جوڑ سکتا ہے۔ سفید فام بھی سیاہ فام بھی، مزدور بھی، مالک بھی، کسان بھی، تاجر بھی، پڑھنے والا بھی، پڑھانے والا بھی، حاکم بھی اور محکوم بھی۔ سب اس کی نگاہ میں برابر ہیں۔ سب اس کی طرف بڑھ سکتے ہیں اور اس سے قربت اور محبت چاہ سکتے ہیں۔ کوئی شخص نہ تو اپنے حسب ونسب سے اس کے پاس اونچا مقام حاصل کرسکتا ہے اور نہ جاہ و منصب سے۔ اس تک رسائی میں نہ تو بدحالی رکاوٹ بنتی ہے اور نہ خوش حالی معاون و مددگار ہوتی ہے۔ وہ ہر اس شخص کو آگے بڑھ کر اپنے آغوش میں لینے کے لیے تیار ہے جو اس کی طرف بڑھے، خواہ وہ افریقہ کا ہو یا امریکہ کا، انگریزی بولتا ہو یا ہندی۔ جو شخص اپنے آپ کو اس کی غلامی میں

دینا چاہیے اس کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ زمین و آسمان کے جس گوشہ سے بھی جو اسے پکارے اس کی پکار کا جواب دینے کے لیے وہ تیار ہے:

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ○ (البقرة:۱۸۶)

جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں تو کہہ دو کہ میں قریب ہوں۔ پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ پس چاہیے کہ وہ بھی میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں۔ (اس طرح) امید ہے وہ ہدایت پائیں گے۔

یہ تصوّر کہ اس کائنات کا ایک خدا ہے، سارے انسان اس کے بندے ہیں اور اسی کی عبادت کے لیے پیدا ہوئے ہیں، انسانوں کے درمیان عصبیت کو ختم کر کے ان کو ایک وحدت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس کو ماننے کے بعد انسان کے اندر عزت اور ذلت کے جھوٹے امتیازات کبھی ابھر نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا احساس خادم اور مخدوم، حاکم اور محکوم، مزدور اور مالک، گورے اور کالے، عربی اور عجمی سب کو ایک صف میں کھڑا کر دیتا ہے اور اونچ نیچ کے فرق کو بھول کر سب اس کے سامنے سجدے ریز ہو جاتے ہیں۔

نوعِ انسانی کی اصل ایک ہے

قرآن مجید نے بار بار یہ حقیقت بیان کی ہے کہ نوعِ انسانی کا آغاز نفسِ واحد سے ہوا ہے۔ اسی سے اس کا جوڑا بنایا گیا اور پھر ان دونوں سے ان کی نسل پھیلی، کنبے اور قبیلے وجود میں آئے، قوموں اور جماعتوں نے جنم لیا اور انسانی آبادی زمین کے مختلف خطوں اور علاقوں میں پھیلتی چلی گئی۔ چناں چہ ایک جگہ ارشاد ہوا:

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ

اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیا کرو، جس نے تمھیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا (بھی) پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیں۔ ڈرو تم

نِسَآءً وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْباً○ (النساء:۱)

اللہ سے جس کے نام سے آپس میں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور آپس کے رشتوں کے معاملہ میں بھی ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ تم کو دیکھ رہا ہے۔

نوعِ انسانی کی وحدت کو توڑنا فساد ہے

یہ اس بات کا اعلان ہے کہ سارے انسان اصلاً ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں، جو دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان اخوت اور برادری کا جو رشتہ قائم کر دیا ہے اسے توڑنے کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا اور اس سمت میں جو بھی قدم اٹھایا جائے اس کی مخالفت کرتا ہے۔ اس کے نزدیک اس خانوادہ کو اجاڑنے اور برباد کرنے کی ہر کوشش فتنہ و فساد کے ہم معنی ہے۔ قرآن نے حضرت موسیٰؑ اور فرعون کی داستان بہت تفصیل سے بیان کی ہے۔ فرعون نے اللہ سے بغاوت اور سرکشی اختیار کی اور پوری قوم کو طبقات میں بانٹ دیا۔ ایک طبقہ حاکم تھا اور دوسرا محکوم۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے ذریعہ اس فساد کو ختم کیا، مظلوموں کی مدد کی اور ظالموں کو صفحۂ زمین سے مٹا دیا۔ ارشاد ہے:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلاَ فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِیَعاً یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَ هُمْ اِنَّهٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ○ وَ نُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَی الَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِیْنَ○ وَ نُمَکِّنَ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَ نُرِیَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَحْذَرُوْنَ○ (القصص:۴-۶)

بے شک فرعون نے ارضِ مصر میں سرکشی کی اور وہاں کے لوگوں کو فرقوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک فرقہ (بنی اسرائیل) کو کم زور بنائے رکھا۔ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا۔ بے شک وہ فساد کرنے والوں میں سے تھا۔ ہم ان لوگوں پر احسان کرنا چاہتے تھے جو زمین میں کم زور بنا کر رکھے گئے تھے۔ ان کو امام بنانا چاہتے تھے اور ان کو جانشین بنانا چاہتے تھے اور ان کے ذریعے فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہی کچھ دکھانا چاہتے تھے جس سے وہ ڈر رہے تھے۔

رنگ، نسل اور زبان وغیرہ کے اختلافات قدرت کی نشانیاں ہیں

انسانوں کے درمیان رنگ روپ، نسل ونسب، زبان و بیان، بودو باش، صنعت وحرفت اور قومیت و وطنیت کے اختلاف کو اسلام خدا کی بے شمار نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیتا ہے۔ انسانوں کا یہ اختلاف بتاتا ہے کہ اس کائنات پر اس کے خالق و مالک کو پورا پورا غلبہ و اقتدار حاصل ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے خوب صورت پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بدصورت بناتا ہے۔ جسے چاہتا ہے دولت عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس سے محروم کردیتا ہے۔ جس کو جس خطۂ زمین میں چاہے پیدا کرتا ہے اور جو بولی چاہے سکھاتا ہے۔ اگر کوئی شخص ان میں سے کسی چیز کو اپنی برتری یا کم تری کی دلیل سمجھتا ہے تو وہ قدرت کی ایک بہت بڑی نشانی سے عبرت نہیں حاصل کررہا ہے۔ وہ اس نگاہ سے محروم ہے جس میں خدا کے دلائل کا مطالعہ کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے:

وَ مِنْ آيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ○ وَ مِنْ آيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ○ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ○ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُم بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُم مِّنْ فَضْلِهٖ ط اِنَّ

اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر اب تم انسان ہو زمین میں پھیلے ہوئے۔ یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ایک ہے کہ اس نے خود تمھارے اندر سے تمھارے جوڑے پیدا کیے، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمھارے درمیان مودت اور رحمت کے جذبات رکھ دیے۔ بے شک اس میں سوچنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمھاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف۔ بے شک اس میں جاننے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں، اس کی نشانیوں میں تمھارا رات کو سونا اور دن میں اس کے فضل (رزق) کو ڈھونڈنا بھی ہے۔ بے شک اس میں

فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ○ شک اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو بات سنتے ہیں۔ (الروم:۲۰-۲۳)

ان آیتوں میں بعض اہم حقیقتیں بیان ہوئی ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ اس بیان سے انسان کے قومی، نسلی، معاشی، علمی وفکری ہر طرح کے غرور کو توڑ دیا گیا ہے۔ انسان چاہے کسی ملک کا بادشاہ ہو، کسی بااقتدار قوم اور قبیلہ سے تعلق رکھتا ہو، بڑے سے بڑا سرمایہ دار اور صنعت کار ہو، علم و فضل اور قوت و طاقت کا پہاڑ ہو، یہ حقیقت ہے کہ وہ مٹی سے پیدا ہوا ہے۔ مٹی کی خاصیت خاک ساری اور فروتنی ہے۔ خاک کے اس پتلے میں پندار اسی وقت پیدا ہوسکتا ہے جب کہ وہ اپنی حقیقت کو نہ سمجھے اور اپنی بساطِ کو بھول جائے۔

۲- دنیا نے عورت اور مرد کو بھی کم تر اور برتر کے خانوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مرد برتر تھا اور عورت کم تر تھی۔ آج بھی یہ تقسیم عملاً باقی ہے۔ قرآن کے اس بیان سے کہ اللہ نے مرد کا جوڑا اسی کی جنس سے پیدا کیا، اس لغو تقسیم کی تردید ہوتی ہے۔ مرد کا جوڑا اسی کی جنس سے ہے، کسی اور جنس سے نہیں ہے، اس لیے ان میں سے کسی کی کم تری یا برتری کا سوال ہی فضول ہے۔ اللہ نے ان کے درمیان الفت و محبت رکھی ہے۔ ان کے درمیان نفرت یا عداوت کا پیدا کرنا یا پایا جانا بالکل غیر فطری ہے۔

۳- فرمایا: اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی آسمان اور زمین کا پیدا کرنا بھی ہے۔ قدرت کی اس نشانی سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔ اس میں اس بات کی طرف بھی لطیف اشارہ ہے کہ لاکھوں میل کے بُعد اور مسافت کے باوجود اللہ کے حکم نے زمین اور آسمان کے درمیان اتحاد پیدا کردیا ہے۔ وہ بغیر کسی تصادم کے خدا کے بنائے ہوئے ضابطے کے تحت گردش کر رہے ہیں۔ اگر

روئے زمین کے انسان بھی اس کے احکام کے پابند ہوجائیں تو ان کے سارے جھگڑے اور نزاعات ختم ہوسکتے ہیں اور ان کے درمیان وحدت اور ہم آہنگی پیدا ہوسکتی ہے۔

۴- ان آیات میں رنگ روپ اور زبان کے اختلاف کو بھی قدرت کی ایک نشانی قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے قدرت کی نشانیاں عبرت حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہیں، لڑنے جھگڑنے کے لیے نہیں ہوتیں۔

۵- اس دنیا میں ہر شخص سونے، جاگنے اور معاشی تگ و دو پر مجبور ہے۔ یہ بھی قدرت کی ایک نشانی ہے، جو بتاتی ہے کہ دنیا کا کوئی بھی انسان احتیاجات سے بے نیاز نہیں ہے اور ان احتیاجات کی نوعیت بھی یکساں ہے۔ جب احتیاج نے سب کو ایک سطح پر کھڑا کر دیا ہے تو ان کے درمیان کم تری و برتری کا سوال بے معنیٰ ہے۔

ان حقیقتوں کی طرف قرآن نے دوسرے مقامات میں بھی، کہیں تفصیل سے اور کہیں اجمال کے ساتھ توجہ دلائی ہے۔ اگر انسان ٹھنڈے دل سے اُن پر غور کرے تو نوعِ انسانی کو اس کے سارے اختلافات کے باوجود ایک وحدت ماننے پر مجبور ہوگا۔

عزت کا معیار صرف تقویٰ ہے

انسان کی بدنصیبی یہ ہے کہ اس نے رنگ و نسل، خاندان و قبیلہ، قوم و وطن اور زبان و بیان کے اختلاف کو قدرت کی نشانیاں سمجھ کر ان سے عبرت نہیں حاصل کی، بلکہ انھیں عزت و ذلت اور بلندی و پستی کا معیار بنا لیا۔ حالاں کہ عزت و ذلت کا تعلق رنگ روپ، رہن سہن اور بول چال سے نہیں، ایمان و عمل سے ہے۔ جو شخص اپنے آپ کو خدا کا بندہ ثابت کرے، اس سے ڈر کر زندگی گزارے اور اس کی رحمتوں کا مستحق بننے کی کوشش کرے وہی باعزت اور شریف ہے۔ جو شخص ان اوصاف سے خالی ہے اس کے

لیے خدا کے دربار میں عزت کی کوئی جگہ نہیں ہے، چاہے دنیا والوں کی نظر میں اس کا مقام کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو۔ قرآن نے بڑی صراحت کے ساتھ کہا ہے:

يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُم مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْباً وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ (الحجرات:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں کردیا ہے، تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہی ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔

قرآن کی اس آیت نے عزت و ذلت کے تمام جھوٹے معیارات ختم کردیے۔ اس میں واضح طور پر یہ اعلان کیا گیا ہے کہ پیدائشی طور پر کسی بھی فرد کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہیں ہے۔ یہاں نہ کوئی شکمِ مادر سے معصوم عن الخطا پیدا ہوتا ہے اور نہ گناہوں کی گٹھری اپنے سر پر لاد کر آتا ہے۔ نہ اس کے ہاتھ میں برتری کی سند ہوتی ہے اور نہ کم تری کا پروانہ۔ انسان کی بزرگی اور فضیلت اس کی نیکی اور تقویٰ سے وابستہ ہے۔ خدائے تعالیٰ کے دربار میں حسب نسب اور خاندان و قبیلہ کا نہیں بلکہ تقویٰ کا سوال ہوگا۔ جن کی زندگیاں خدا کے خوف سے خالی ہوں گی انھیں خدا کی پکڑ سے کوئی چیز بچا نہ سکے گی۔

غلط معیارات کی اصلاح

دنیا کی مختلف قوموں اور قبیلوں نے عزت و ذلت کے جو جھوٹے معیار قائم کر رکھے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان میں سے ایک ایک کو جڑ پیڑ سے اکھاڑ پھینکا اور پوری نوعِ انسانی کے لیے صرف تقویٰ اور خدا ترسی کو عزت کا معیار قرار دیا۔

قومی و نسلی تکبر پر تنقید

قومی و نسلی غرور نے ہمیشہ دوسری قوموں اور دوسری نسل والوں کو برابر کی حیثیت دینے سے انکار کیا اور ان کے ساتھ مساوی سلوک کی اجازت نہیں دی۔ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو بے نظیر خطبہ دیا تھا، اس میں اس پر کاری ضرب لگائی اور نوعِ انسانی کی وحدت کا اعلان فرمایا: آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اَلاَ ان ربَّکم واحد، و ان اباکم واحد، الاَ لاَ فضل لعَربی علی اعجمی و لاَ لعجمی علی عربی و لاَ لِاَحمر علی اسود ولاَ لِاَسود علیٰ احمر اِلّاَ بالتَّقویٰ.[۱]	اے لوگو! سن لو، بے شک تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا باپ (بھی) ایک ہے۔ سن لو، کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کسی سفید کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو سفید پر سوائے تقویٰ کے اور کسی بنیاد پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تقویٰ شرف و منزلت کی بنیاد ہے۔ جس کے اندر جتنا تقویٰ ہوگا اتنا ہی وہ صاحب فضیلت ہوگا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر پورا حجاز آپ کے زیر نگیں تھا۔ آپؐ کا تعلق بھی عرب سے تھا اور آپ ﷺ کے تمام ساتھی بھی عرب ہی سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے عربوں کے اندر اپنے تفوق اور برتری کا احساس پیدا ہوسکتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس احساس کو پیدا ہونے نہیں دیا اور بتایا کہ سارے انسان ایک خدا کے بندے اور ایک باپ کی اولاد ہیں، ان میں فضیلت اس شخص کو حاصل ہے جو صاحب تقویٰ اور خدا ترس ہے۔

اپنے ایک ساتھی حضرت ابو ذرؓ سے آپ ﷺ نے یہی بات اس طرح بیان فرمائی:

انظر انک لست بخیر من احمر ولاَ اسود اِلّا ان تفضله بالتقوی.[۲]	دیکھو! تم کسی گورے اور کالے سے بہتر نہیں ہو۔ مگر یہ کہ تقویٰ میں تم اس سے بڑھ جاؤ۔

۱۔ مسند احمد: ۶ / ۵۷۰، حدیث نمبر ۲۲۹۷۸۔ طبع بیروت لبنان، ۱۹۹۴ء

۲۔ مسند احمد: ۶ / ۱۹۸، حدیث نمبر ۲۰۸۹۸

خاندانی اور قبائلی فخر بے بنیاد ہے

خاندان اور قبیلہ کے غرور نے بھی انسانی وحدت کو نقصان پہنچایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لاَ تفتخروا باٰبائکم الّذین ماتوا فی الجاھلیة فوَا الّذی نفسی بیدہ لما یدھدہ الجعلُ بمنخریہ خیر من اٰبائکم الذین ماتوا فی الجاھلیة۔[1]

اپنے ان آباواجداد پر فخر مت کرو جو حالت جاہلیت میں مر چکے ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، گوبریلا (کیڑا) اپنے نتھنوں سے جس گندگی کو لڑھکاتا پھرتا ہے وہ بہتر ہے تمھارے ان آباء سے جو جاہلیت کی حالت میں اس دنیا سے چلے گئے۔

یہ بات زیادہ تفصیل سے ایک اور روایت میں کہی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لینتھینّ اقوام یفتخرون باٰبائھم الّذین ماتوا انما ھم فحم جھنم او لیکوننّ اھون علیٰ اللّٰہ من الجعل الذی یدھدہ الخرء بانفہ ان اللّٰہ اذھب عنک عبِّیة الجاھلیةِ و فخرھا بالآباء انما ھو مومن تقی و فاجر شقی، الناس کلھم بنو اٰدم و اٰدم خلق من تراب۔[2]

لوگ (زمانۂ جاہلیت میں) مرے ہوئے باپ دادا پر فخر کرنا بالکل چھوڑ دیں، اس لیے کہ وہ تو جہنم کا کوئلہ بن چکے ہیں، ورنہ وہ اللہ کے نزدیک اس گبریلے سے زیادہ ذلیل ہوں گے جو گندگی کو اپنی ناک سے لڑھکاتا پھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ دادا پر فخر کو دور کردیا ہے۔ آدمی بس دو طرح کے ہیں: صاحبِ ایمان اور خدا ترس یا بدکردار اور بدبخت لوگ۔ سارے کے سارے آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔

---

[1] مسند احمد، تحقیق احمد محمد شاکر: ۴/۲۶۰،۲۶۱

[2] ترمذی، کتاب المناقب۔ ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی التفاخر

حضرت سمرہ بن جندبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الحسب المال و الکرم التقوی[1] حسب تو مال ہے اور بزرگی اور شرافت تقویٰ سے ہے۔

حسب نسب کا تعلق خاندان سے ہے، لیکن دنیا کی نگاہ میں مال و دولت کی اصل اہمیت ہے۔ جس کے پاس دولت ہے اس کا حسب نسب بھی اونچا ہوتا ہے۔ شرافت اور بزرگی ایک دوسری ہی چیز ہے۔ یہ تقویٰ اور خدا ترسی سے پیدا ہوتی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: من اکرم الناس؟ لوگوں میں سب سے بزرگ کون ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا: 'اتقاھم'۔ جوان میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔ عرض کیا گیا کہ ہم ایک دوسری ہی بات دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا "تم حسب نسب کے بارے میں دریافت کر رہے ہو۔ اس لحاظ سے سب سے بزرگ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ خود نبی تھے اور ایک نبی (یعقوبؑ) کے بیٹے تھے۔ وہ بھی ایک نبی (اسحاقؑ) کے بیٹے تھے اور وہ ابراہیم خلیل اللہ کے فرزند تھے۔" اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خاندانی حسب نسب بھی اسی وقت فضیلت و بزرگی کا سبب بنتا ہے جب کہ اس میں تقویٰ پایا جاتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والے اور نیکی و تقویٰ میں سب سے آگے ہوتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ بھی پیغمبر تھے اور ان کے اوپر کے تین بزرگ بھی خدا کے پیغمبر تھے۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ ہمارا مدعا یہ بھی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: تو تم 'معادن العرب'، یعنی عرب کے ذخائر کے بارے میں پوچھتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو جاہلیت میں بہتر ہیں وہ اسلام میں بھی بہتر ہوں گے بشرطیکہ وہ اسلام میں سوجھ بوجھ پیدا کرلیں[2]

اس میں بھی آپؐ نے جاہلی حسب نسب کی جگہ دین کی سوجھ بوجھ کو نمایاں

---

[1] ترمذی، ابواب التفسیر، سورۃ الحجرات۔ ابن ماجہ، ابواب الزہد، باب الورع والتقویٰ

[2] بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ و اتخذ اللہ ابراھیم خلیلاً۔ مسلم، کتاب الفضائل

فرمایا کہ کل جو اپنی خوبیوں اور صلاحیتوں کے لحاظ سے بہتر تھے آج بھی وہی بہتر ہوں گے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دین کا علم حاصل کریں اور ان کے اندر اس کی گہری بصیرت پیدا ہو جائے۔

اپنے خاندان پر فخر بھی کیا جاتا ہے اور دوسروں کے خاندان اور حسب نسب پر طنز و تعریض اور تحقیر بھی کی جاتی ہے، حالاں کہ نہ پہلی بات صحیح ہے نہ دوسری۔ خامیاں سب میں ہوتی ہیں، کوئی اس سے پاک نہیں ہوتا۔ کمال صرف خدا کی ذات کو حاصل ہے۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان انسابکم هٰذه لیست بمسبة علیٰ احد، کلکم بنو اٰدم، طف الصاع لم تملؤه، لیس لِاَحد علیٰ احد فضل الّا بدین او تقویٰ، و کفٰی بالرجل ان یکون بذیًّا بخیلاً فاحشا۔[۱]

بے شک تمھارے یہ نسب اس لیے نہیں ہیں کہ اس کے ذریعے کسی کو عار دلایا جائے۔ تم سب آدم کی اولاد ہو (سب میں نقص ہے) جس طرح صاع (پیمانہ) کی کمی کو تم پورا کیے بغیر چھوڑ دو۔ کسی کو کسی پر دین اور تقویٰ کے علاوہ کسی اور سبب سے کوئی فضیلت نہیں ہے۔ آدمی کی بربادی کے لیے اس کا بیہودہ گو، بخیل اور منہ پھٹ ہونا کافی ہے۔

دولت پر غرور ناروا ہے

دولت و غربت کی بنیاد پر بھی انسانوں کی تقسیم ہوتی ہی ہے۔ اصحابِ ثروت نے غریبوں اور ناداروں کو دبائے رکھا اور بری طرح ان کا استحصال کیا۔ اس سے آہستہ آہستہ جاگیر داروں اور محنت مزدوری کرنے والوں کے دو مستقل طبقے وجود میں آگئے اور ان کے درمیان کش مکش شروع ہوگئی۔ آج یہ کش مکش اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے۔ سرمایہ دار مزدور سے غلط فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور مزدور اپنے حق سے زیادہ کا مطالبہ کرتا ہے۔ بات اسی حد تک نہیں رُکی، بلکہ انسان کی معاشی حالت اس کی عزت و ذلت کا معیار بن گئی۔ سرمایہ دار نے، جو صرف اپنے سرمایہ کی بدولت عیش کرتا ہے، معاشرہ میں عزت کی

---

[۱] مسند احمد: ۵/ ۱۶۰، حدیث نمبر ۱۶۹۹۳

جگہ حاصل کر لی اور جو بے چارہ محنت مزدوری سے اپنی روزی کماتا ہے اسے حقیر اور ذلیل سمجھا جانے لگا۔ اسلام نے ان دونوں باتوں کا استیصال کیا ہے۔ اس نے ایک طرف تو غربت کے مسئلہ کو حل کیا، امیروں کے مال میں غریبوں کا حق متعین کیا، دولت کے جمع کرنے اور خرچ کرنے پر اخلاقی اور قانونی پابندیاں عائد کیں، ہر ایک کو تلاشِ معاش پر اُبھارا، جائز ذرائع کے حصول میں مدد دی اور جو شخص معاشی دوڑ دھوپ نہ کر سکے، اس کی کفالت کا بوجھ اٹھایا، دوسری طرف علی الاعلان کہا کہ دولت و ثروت عزت کا ذریعہ نہیں ہے۔ دنیا نے اگر اسے عزت کا معیار بنا لیا ہے تو غلط کیا ہے۔ اسے اس معیار کو چھوڑنا پڑے گا۔ کل قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انسان کے سرمایہ کو نہیں، اس کے اعمال کو دیکھے گا۔ وہاں کامیاب وہی ہوگا، جس کے اعمال نیک ہوں گے۔ بدکردار انسان کو خدا کی پکڑ سے کوئی چیز بچا نہ سکے گی۔

قرآن میں صاف لفظوں میں ہے:

وَ مَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓی اِلَّا مَنْ آمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحاً فَاُولٰٓئِکَ لَھُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ ھُمْ فِی الْغُرُفٰتِ آمِنُوْنَ○ وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْٓ آیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِکَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ○ (سبا:۳۷،۳۸)

یہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد نہیں ہے جو تمھیں ہم سے قربت کا مقام عطا کردے، ہاں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو ایسے لوگوں کے لیے ان کے اعمال کا دوگنا بدلہ ملے گا اور وہ بالا خانوں میں اطمینان سے رہیں گے۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کو ہرانے کے لیے دوڑ دھوپ کر رہے ہیں وہ سب عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔

دولت ہی قیادت و سیادت کا بھی معیار رہی ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھوں میں خزانوں کی کنجیاں تھیں ان ہی نے بالعموم غریب عوام پر حکومت کی اور ان کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا۔ اسلام نے اس معیار کو بھی بدلا۔ قرآن مجید نے بنی اسرائیل کے ایک واقعہ کے ذیل میں یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ انسان قیادت کا اہل

دولت کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ اس کے لیے بہترین ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کی ضرورت ہے۔ بنی اسرائیل نے اپنے ایک نبی سے درخواست کی کہ ہم اپنے دشمن (عمالقہ) سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا ہمارے لیے ایک کمانڈر کا انتخاب کیا جائے۔ نبیِ وقت نے ایک باصلاحیت شخص طالوت کا انتخاب کیا۔ قوم اس انتخاب پر چیں بجبیں ہوگئی اور کہا:

اَنّٰی یَکُوْنُ لَهُ الْمُلْکُ عَلَیْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْکِ مِنْهُ وَ لَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ (البقرۃ:۲۴۷)	اسے ہم پر حکم رانی کا حق کیسے حاصل ہوسکتا ہے اس سے زیادہ حکم رانی کے ہم مستحق ہیں۔ اسے مالی کشائش اور وسعت بھی نہیں دی گئی ہے۔

نبی برحق نے اس جہالت کو سن کر جواب دیا:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَیْکُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ؕ وَ اللّٰهُ یُؤْتِیْ مُلْکَهٗ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ○ (البقرۃ:۲۴۷)	اللہ نے اس کو تمہارے لیے چن لیا ہے اور اس کو علم اور جسم میں زیادتی عطا کی ہے۔ اللہ اپنا اقتدار جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ اللہ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ طالوت کی چاہے کوئی مالی حیثیت نہ ہو، اس کے اندر غیر معمولی علم اور زبردست عملی قوت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان ہی اوصاف کی اہمیت ہے۔ اس لیے اسی کو سردار ہونا چاہیے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس کی سرداری کو قبول نہ کیا جائے۔

احادیث میں بھی یہ حقیقت مختلف پہلوؤں سے سمجھائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر و قیمت مال اور دولت کی نہیں، نیکی و تقویٰ کی ہے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدیؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص کا گزر ہوا (بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قریش کا تھا، صاحب حیثیت تھا اور اچھے لباس میں تھا) رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے سوال کیا: اس کے متعلق تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ کسی نے عرض کیا: یہ تو شرفاء میں سے ہے، اس قابل ہے کہ کہیں پیغام بھیجے تو اس کا نکاح

ہو جائے اور کسی کے حق میں سفارش کرے تو اس کی سفارش سنی جائے۔ تھوڑی دیر بعد ایک مفلوک الحال شخص کا گزر ہوا۔ آپؐ نے لوگوں سے اس کے بارے میں پوچھا تو عرض کیا گیا کہ یہ مسلمان فقراء میں سے ایک ہے۔ اس قابل نہیں کہ کہیں پیغام بھیجے تو نکاح ہو جائے، یا کسی کی سفارش کرے تو سفارش سنی جائے۔ آپ نے فرمایا: جسے تم نے شریف کہا اس جیسے انسانوں سے یہ پوری زمین بھر جائے تو بھی ان سب سے یہ ایک (فقیر) شخص بہتر ہے[1]

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ لاَ ینظر الیٰ صورکم و اموالکم و لٰکن ینظر الیٰ قلوبکم و اعمالکم[2]

اللہ تعالیٰ تمھاری شکل وصورت اور مال و دولت کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمھارے دلوں اور تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

تقویٰ کا مفہوم وسیع ہے

یہ بات رسول اللہ ﷺ نے اور مواقع پر بھی فرمائی ہے کہ ایمان اور تقویٰ ہی بزرگی کی اصل بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی کو دیکھتا ہے۔ تقویٰ کا مفہوم بڑا وسیع ہے۔ اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت، اس کے احکام کی اتباع، اس کے بندوں کے حقوق کی ادائی، بھلائیوں کو قائم کرنے اور برائیوں کو مٹانے کی جدوجہد سب ہی کچھ داخل ہے۔ بعض حدیثوں میں ان سب پہلوؤں کو کھول بھی دیا گیا ہے۔ درّہ بنتِ ابی لہب کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تھے کہ ایک شخص نے آپؐ سے سوال کیا: "اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ" سب سے اچھا انسان کون ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

خیر الناس اقرأھم و اتقاھم و اٰمرھم بالمعروف و انھاھم عن

انسانوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو ان میں سب سے زیادہ خدا کی کتاب پڑھنے والا،

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین

[2] مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم ظلم المسلم

المنکر و اوصلھم للرحم[۱]

سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا، سب سے زیادہ معروف کا حکم دینے والا اور منکر سے منع کرنے والا اور سب سے زیادہ رشتوں کو ملانے والا ہو۔

یہ ہیں وہ اعلیٰ اوصاف جو انسان کو عزت و شرافت کا حق دار بناتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ان ہی کی قدر و قیمت تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تقویٰ کے علاوہ دنیا کی کوئی چیز آپ ﷺ کی نگاہ میں جچتی نہیں تھی:

ما اعجب رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم شیء من الدنیا ولاَ اعجبه احد قط الا ذو تقی[۲]

رسول اللہ ﷺ کے لیے دنیا کی کوئی چیز کبھی باعثِ حیرت و استعجاب نہ ہوتی اور نہ ہی کسی انسان کو آپ کبھی تعجب اور مسرت سے دیکھتے الاّ یہ کہ وہ صاحبِ تقویٰ ہو۔

حرفِ آخر

اس طرح اسلام انسان کے اندر یہ یقین پیدا کرتا ہے کہ انسان سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے غلام ہیں۔ وہ ایک کنبہ کے افراد ہیں، جن کو مل جل کر اللہ کی عبادت کا فرض انجام دینا ہے۔ وہ ایک ہیں اور ایک ہی کام کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں نہ کوئی رذیل ہے نہ شریف، سب کی حیثیت ایک ہے۔ انسانوں کے درمیان زبان، رنگ، قوم اور وطن کے جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ غیرحقیقی اختلافات ہیں، جو بعض چھوٹے چھوٹے اسباب کے تحت وجود میں آتے ہیں۔ کل قیامت کے روز انسان کی قسمت کا فیصلہ ان حقیر اسباب کی بنیاد پر نہ ہوگا، بلکہ اس کے ایمان وعمل کی بنیاد پر ہوگا۔ وہاں سر بلند وہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہے، جس کے اندر تقویٰ پایا جاتا ہے اور جس کے اعمال اچھے ہیں۔ جو ان خصوصیات سے محروم ہے

۲۔ مسند احمد: ۷/ ۵۸۴ حدیث نمبر ۲۶۸۸۸

۱۔ مسند احمد: ۷/ ۱۰۲، حدیث نمبر ۲۳۸۸۲

اُسے اللہ کے عذاب سے نہ کوئی عہدہ و منصب بچا سکتا ہے اور نہ اس کا حسب نسب۔ اس کے لیے ذلت ہی ذلت ہے۔ یہ یقین بلندی و پستی کے تمام جھوٹے امتیازات کو ختم کردیتا ہے اور سارے انسان اپنے اختلافات کو بھول کر ایک صف میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ دنیا کی مختلف اور متحارب قوموں اور جماعتوں کو صرف اسی بنیاد پر جوڑا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اتحاد کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔ کیا دنیا اس کے لیے تیار ہے؟ مستقبل ہی اس سوال کا جواب دے سکے گا۔

☆☆